تاثرات

اس سال بھی اپریل کا مہینہ غیر معمولی اہمیت کا حامل بن گیا۔ گزشتہ سال ۱۴ اپریل کو عوام کی منتخب کردہ قومی اسمبلی کا اجلاس منعقد کیا گیا تھا جس نے عبوری دستور متفقہ طور پر منظور کیا تھا اور مستقل دستور بنانے کے لیے مختلف سیاسی جماعتوں کے نمائندوں پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کی تھی۔ یہ دستور ایک سال کی مختصر مدت میں تیار ہو گیا اور ۱۰ اپریل ۱۹۷۳ کو متفقہ طور پر منظور کر لیا گیا۔ مستقل دستور ۱۴ اگست ۱۹۷۳ء تک نافذ کر دیا جائے گا۔ اور پاکستان میں نظام حکومت ایک ایسے دستور کے مطابق قائم ہو گا جسے عوام کی منتخب کردہ قومی اسمبلی نے بنایا ہے اور جسے ملک کی تمام جماعتوں کی حمایت حاصل ہے۔

قیام پاکستان سے قبل ایک برطانوی صحافی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا تھا کہ پاکستان کا دستور بنانے میں ہمیں دشواری نہ ہو گی کیونکہ مسلمانوں کے پاس ان کا بنیادی دستور قرآن حکیم موجود ہے۔ مگر پاکستان بن جانے کے بعد قوم نے اپنے قائد کی یہ توقع پوری نہ کی اور دستور سازی کو ایسا دشوار اور پیچیدہ مسئلہ بنا دیا گیا کہ اسے حل کرنے میں ۲۵ سال صرف ہو گئے۔

جب پاکستان قائم ہوا تو قانونِ آزادیِ ہند ۱۹۴۷ کے مطابق اس نئی مملکت کی مجلسِ دستور ساز کو قانون سازی کے جملہ اختیارات دیے گئے جن میں دستور سازی بھی شامل تھی لیکن اس مجلس نے اپنا کام جلد مکمل کرنے کے بجائے چار سال کی مدت میں صرف قرارداد مقاصد منظور کی۔ یہ مجلس سات برس تک مجلس قانون ساز کی حیثیت سے بھی کام کرتی رہی۔ مگر اس طویل مدت میں اس نے نہ تو نئے انتخابات کے لیے کوئی قانون بنایا اور نہ خود اپنی تحلیل کے لیے کوئی اقدام کیا۔ اس سست روی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک کے لیے کوئی دستور نہ بن سکا۔ اپریل ۱۹۵۳ میں گورنر جنرل غلام محمد نے جب خواجہ ناظم الدین کی وزارت کو برطرف کر دیا

تو جمہوریت کا مستقبل تاریک نظر آنے لگا اور تب وزیر اعظم نے آئندہ اس قسم کی صورتِ حال کو روکنے کے لیے گورنر جنرل کے اختیارات پر پابندی لگانا ضروری خیال کیا اور مجلس دستور ساز بھی اس رائے سے متفق ہو گئی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۲۴/ اکتوبر ۱۹۵۴ کو گورنر جنرل نے مجلس دستور ساز کو توڑ دیا اور ۱۹۵۴ کا مجوزہ دستور بھی سرد خانے میں ڈال دیا گیا۔ پھر جب یہ معاملہ عدالت میں گیا اور سپریم کورٹ نے نئی مجلسِ دستور ساز کے فوری انتخاب کی ہدایت کی تو اپریل ۱۹۵۵ میں گورنر جنرل نے دوسری مجلسِ دستور ساز طلب کی جس کے اراکین صوبائی اسمبلیوں کے اراکین میں سے منتخب کیے گئے تھے۔ اس مجلس کا بنایا ہوا دستور ۲۳/ مارچ ۱۹۵۶ کو نافذ کیا گیا جس کے مطابق پاکستان جمہوریہ بن گیا۔ اسکندر مرزا پہلے صدرِ جمہوریہ منتخب کیے گئے مگر انھوں نے جمہوری نظام کو فروغ دینے کے بجائے مطلق العنانی کی راہ اختیار کی اور اکتوبر ۱۹۵۸ میں مارشل لا نافذ کر دیا جو ۱۹۶۲ تک جاری رہا۔ اس کے بعد جون ۱۹۶۲ میں محمد ایوب خاں نے نیا دستور نافذ کیا جس کے مطابق بنیادی جمہوریت کا نظام قائم کیا گیا لیکن صدر ایوب کی صدارت کے ساتھ ہی یہ دستور بھی ختم ہو گیا اور ملک بھر میں پھر مارشل لا نافذ کر دیا گیا۔ یحییٰ خاں کا زمانہ ملک اور قوم کے لیے بڑا ہی نازک دور تھا، تاہم قومی انتخابات کرانے اور جمہوری دستور بنانے کا مطالبہ برابر ترقی کرتا گیا اور جب حالات نے نازک صورت اختیار کر لی تو دسمبر ۱۹۷۰ میں عام انتخابات کرائے گئے لیکن ۱۹۷۱ پاکستان کے لیے مصائب و مشکلات کا سال بن گیا۔ بھارتی جارحیت کی وجہ سے مشرقی پاکستان الگ ہو گیا۔ اور آخر کار یحییٰ خاں کو مسندِ اقتدار چھوڑنا پڑا۔ دسمبر ۱۹۷۱ میں، جب حالات اس قدر خراب ہو گئے تھے کہ ملک کا وجود تک خطرے میں پڑ گیا تھا، عنانِ حکومت صدر ذوالفقار علی بھٹو کے حوالے کی گئی۔ اس وقت ملک کو جن مصائب اور دشواریوں کا سامنا تھا ان کے پیشِ نظر یہ خیال تک نہ تھا کہ صدر بھٹو جمہوری نظام کو بحال کرنے اور قوم کو خود اس کے منتخب کیے ہوئے نمائندوں کا بنایا ہوا دستور دینے کے لیے کوئی موثر کوشش کر سکیں گے لیکن انھوں نے حالات کو بہانہ بنا کر شخصی اقتدار قائم رکھنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ بلکہ قوم سے جو وعدے کیے تھے ان پر قائم رہے اور پورے خلوص اور عزم و استقلال سے دستور سازی کا فرض انجام دیا۔

ایک مختصر سی مدت میں نئے دستور کا مسودہ قومی اسمبلی کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ اس مسودہ کو منظور کرانا بہت آسان بھی تھا اور نہایت مشکل بھی۔ آسان اس لیے کہ قومی اسمبلی میں پیپلز پارٹی کی بھاری اکثریت ہے اور قیوم لیگ اور دوسری جماعتوں اور آزاد ممبروں کی مکمل حمایت و تعاون بھی حکومت کو حاصل ہے۔ اس لیے وہ اس مسودہ کو جس طرح چاہتی بڑی آسانی سے منظور کر لیتی۔ اور مشکل یہ درپیش تھی کہ صدر بھٹو یہ چاہتے تھے کہ دستور متفقہ طور پر منظور ہو اور ان لوگوں کی تائید بھی حاصل کی جائے جن کو بلحاظ تعداد کوئی اہمیت حاصل نہیں۔ ان کی وجہ سے بے شمار رکاوٹوں اور مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا جنھیں برداشت کرنے کے لیے بڑے صبر و تحمل کی ضرورت تھی۔ لیکن صدر بھٹو اور ان کے رفقا اس آزمائش میں بھی پورے اترے۔ اختلافات کی گتھیوں کو سلجھانے اور متفقہ طور پر آئین منظور کرانے کے لیے صدر بھٹو نے جس تدبّر و فراست، سیاسی بصیرت، صبر و استقلال اور مصالحت پسندی سے کام لیا اور آخر کار ملک کو ایک اسلامی جمہوری، اور وفاقی آئین دیا وہ اس کے لیے قوم کے دلی شکریہ اور مبارکباد کے مستحق ہیں۔

(رزاقی)